مطبوعات

ایک اسلام از جناب ڈاکٹر غلام جیلانی صاحب برق۔ پی۔ ایچ۔ ڈی۔ شائع کردہ: کتاب منزل لاہور۔ قیمت مجلد مع رنگین گرد پوش چار روپے۔

یہ "دو اسلام" اور "دو قرآن" والے برق صاحب کی نئی پیش کش ہے اور بہت سے عجائبات و لطائف کی حامل۔ اس کتاب کا اصل ہدف ملّا ہے جو ڈاکٹر صاحب کے نزدیک تمام ترقیوں میں حائل ہے، حقیقی اسلام سے ہٹا کر عوام کو اپنے پیچھے لگائے ہوئے ہے، اور ان وجوہ سے دنیا کی ہر خرابی اور ہر مفسدے کا ذمہ دار ہے۔ ہماری رائے میں ڈاکٹر صاحب کا یہ اندازہ بالکل غلط ہے۔ آج کی دنیا اور آج کے عوام ملّا کی لیڈرشپ میں نہیں چل رہے ہیں، بلکہ ملحد اور مذہب سے منحرف مرشدوں کے زیر قیادت ہیں۔ خود ہماری سوسائٹی میں محلے کی چودھراہٹ سے لے کر مرکزی وزارت تک کہیں بھی ملا برسر اقتدار نہ ملے گا[1]۔ مدتِ سلطنت کا ایک تنگ سا گوشہ ہے جس میں ملّا کا محض ذہنی سا اثر باقی ہے مگر اجتماعی عملی زندگی سے وہ مدت ہوئی کہ الگ کیا جا چکا ہے۔ آج وہ سوسائٹی میں اتنا گرا ہوا ہے کہ شاعر، ادیب اور صحافی ہی نہیں، گلی کا ایک لونڈا بھی اس پر بے تکلف پھبتیاں کسنے کی مشق کرتا رہتا ہے۔ پس اس درجہ گر جانے والے ملّا کے خلاف اتنے فکری لاؤلشکر سے میدان میں آنا مضحکہ انگیز سی حرکت معلوم ہوتی ہے۔ ہو سکتا ہے کہ اصل اسلام پر ناوک افگنی کرنے کے لیے ملّا کو سامنے رکھنا مفید گردانا گیا ہو تا کہ جو گالیاں وہ دراصل اسلام کو دینا چاہتے ہیں وہ بظاہر ملّا پرستی نظر آئیں۔

جو کچھ بھی ہو، غریب مرے ہوئے ملّا کو مارنے کے لیے ڈاکٹر صاحب نے شاہ مدار بن کر جس حسنِ کلام

---

[1] جیسے کہ خود آپ ہی نے لکھا ہے کہ "ہمارا ملّا اس قدر بے کار ہو چکا ہے کہ تکفین و تدفین کی رسومات کے بغیر دنیا کے کسی اور میدان میں قیادت کے قابل ہی نہیں رہا۔" (ص ۶)

ہے کلم لیلہ ہے، وہ کسی ادیب اور مصلح کو تو کیا، اپنی انسانیت کا احساس رکھنے والے ایک اوسط درجے کے شریف آدمی کو بھی زیب نہیں دیتا۔ ہماری بے لاگ رائے یہ ہے کہ اس میدان میں ڈاکٹر صاحب بازاری تقریر بازوں کی سطح پر اتر آئے ہیں۔ "بطور تبرک" یہاں ہم دو ایک جملے پیش کرتے ہیں:۔

"بے شک، اگر اعمال کے پارسل باندھنے کا کام حضرت مولانا کے سپرد ہوا تو یہ غیر مسلموں کے عالم جتنے اعمال بھی اٹھا کر باہر پھینک دیں گے اور اپنا ڈھیلا تک ہمراہ لے جائیں گے۔"

"اس طرح ملا اپنے آپ کو مشیت ایزدی کا رازداں، اجارہ دار قرآن، اسرار لاہوت کا مفسر اور عقل کل کا ہم سر سمجھ بیٹھتا ہے۔ آپ اسے لاکھ سمجھائیں کہ قبلہ! قرآن کی سیاست اور اس حکیم جلیل کی مشیت کو سمجھنا، آپ کے گیارہ اندو دس کے بس کی بات نہیں۔"

"ملا کے ہاں نعمت کا تصور عجیب سا ہے۔ وہ دنیوی جنات و عیون، قصور و ندورع، ثیاب و امتعہ اور مال و ملک کو متاع الغرور سمجھتا ہے اور جمعرات کے حلوے کو نعمت صغریٰ اور حور جنت کو نعمت کبریٰ قرار دیتا ہے۔ مسلمان غلام رہے یا آزاد، فارغ البال ہو یا تنگدست، غلیظ ہو یا صفا پسند جاہل رہے یا عالم، جائے جہنم میں، اس کا منتہائے نظر تو اپنا چودھراپا قائم رکھنا ہے اور وہ اسی صورت میں قائم رہ سکتا کہ سارا محلہ پانچ وقت اس کی خدمت میں حاضر ہوتا رہے اور ہر شخص نے ڈیڑھ بالشت داڑھی چھوڑ رکھی ہو۔"

"اللہ کے مارا کر ہمارا بستر بگاڑ دیا ہے، . . . . . ہمیں بندروں اور ریچھوں سے زیادہ جاہل بنا دیا، ہمارے چہرے ذلیل اور سیاہ کر دیے لیکن کم سواد و تنگ نظر ملا ابھی رٹ لگائے جارہا ہے کہ "ہم چو ما دیگرے نیست"!

"ساری قوم بدعملی کی وجہ سے پٹ رہی ہے اور بھی کہے جا رہا ہے کہ داڑھی بڑھاؤ اور ظلاں بدرد کرو۔ وہ دیکھ رہا ہے کہ پیٹنے والے سب کے نماز اور داڑھی منڈے ہیں۔ اور پھر بھی نہیں سوچتا کہ اللہ کے پیارے دم اٹھا کر کفار کے آگے آگے کیوں بھاگ رہے ہیں۔"

ڈاکٹر صاحب جہاں بھی ملا پر برسے ہیں ایسی ہی گھٹیا زبان میں برسے ہیں۔ معلوم نہیں کہ وہ اس طرح

ملاؤں، پروہتوں اور ڈاکٹروں کی برتری قائم کرنے کی کیسے امید رکھتے ہیں۔

بخلاف اس کے جہاں ڈاکٹر صاحب نے اپنے نظریات کو بالکل اتفاقی طور پر پیش کیا ہے وہاں ان کا انداز بیان سنجیدہ بھی ہے اور شگفتہ بھی۔ خاص طور پر جن مواقع پر موصوف اسلام کے عقائد کو اپنی اجتہادی فکر سے مجروح کیے بغیر پیش فرماتے ہیں وہاں تو تحریر ادبیت اور اثر انگیزی کے لحاظ سے بالکل معیاری ہو گئی ہے۔

اس کتاب میں ڈاکٹر صاحب نے اپنے جو خاص نظریات پیش فرمائے ہیں ان میں سے ایک وحدتِ ادیان کا نظریہ ہے یعنی تمام ادیان جو دنیا میں چل رہے ہیں اپنی موجودہ صورت ہی میں برحق ہیں۔ حالانکہ یہ بات قرآن کے بالکل خلاف ہے۔ قرآن جو بات کہتا ہے وہ یہ ہے کہ خدا کا دین ہمیشہ سے ایک تھا اور ہر قوم پر وہی ایک دین نازل کیا گیا، لیکن بعض قوموں نے اسے بالکل گم کر دیا، بعض نے اس میں آمیزشیں کر دیں اور بعض نے اس کے اصول و مقاصد، اس کے تقاضوں اور اس کی روح کو مسخ کر دیا۔ اسی وجہ سے دین کی حقیقت کو تازہ کرنے کے لیے بار بار انبیاء آتے رہے اور اب وہی دین آخری مرتبہ محمد صلعم کے ذریعہ مکمل صورت میں زندہ کر دیا گیا ہے جس کے سوا خدا کے دین کو پانے کا اب کوئی اور ذریعہ نہیں ہے۔

وحدتِ ادیان کے تخیل کے ساتھ دوسرا نتیجۂ فکر و کاوش جو ڈاکٹر صاحب نے پیش کیا ہے وہ یہ ہے کہ دنیا کی جملہ مذہبی کتب (تقریباً) اپنی اصلی حالت پر ہیں۔ اس مدعا کو ثابت کرنے کے لیے ڈاکٹر صاحب نے اپنی وسعتِ مطالعہ کا قابلِ قدر مظاہرہ کیا ہے لیکن اس معاملے میں بھی وہ حقیقت سے دور جا پڑے ہیں۔ قدیم آسمانی کتابوں میں تحریف اس طرح نہیں ہوئی کہ اصل کتابوں کی جگہ بالکل نئی کتابیں لکھ ڈالی گئی ہوں، بلکہ درحقیقت ہوا یہ ہے کہ ان کتابوں پر جو شرح و حواشی لکھے جاتے رہے ہیں وہ آہستہ آہستہ اصل متن کے ساتھ گڈمڈ ہو گئے ہیں یہی وجہ ہے کہ ایک طرف تو ہم یہ بھی دیکھتے ہیں کہ قدیم کتابوں میں ٹھیک ویسی ہی تعلیم ہدایت جا بجا جھلکتی ہے جیسی قرآن میں ہے، اور دوسری طرف ہم بعض مضحکہ خیز خرافات بھی ان میں موجود پاتے ہیں۔ کوئی شخص جس نے ویدوں اور گیتا اور بائبل کا تنقیدی مطالعہ کیا ہے یہ نہیں کہہ سکتا کہ ان کا ہر لفظ قرآن کی طرح کلام اللہ ہے یہ بات صرف وہی لوگ کہہ سکتے ہیں جو دوسرے مذاہب والوں کو خوش کرنا چاہتے ہیں۔ ہم اس بات پر تعجب کا اظہار کیے بغیر نہیں رہ سکتے کہ برق صاحب اپنے مذہب کے علماء پر تو اس بری طرح گرجتے ہیں، مگر دوسرے مذاہب

کے پیروؤں کی یوں خوشامد کرنے لگتے ہیں۔ یہ حرکت تو رُحَمَاءُ عَلَى الْكُفَّارِ وَأَشِدَّاءُ بَيْنَهُمْ کی مثال ہے

تورات و انجیل کے محفوظ ہونے کے جو عقلی وجوہ برق صاحب نے بیان کیے ہیں، وہ اس طرح کے ہیں کہ مثلاً مذہبی کتب کے بارے میں ان کے پیروؤں میں ایک جذبۂ احترام و تقدس کا موجود ہونا، ان کی حفاظت کا اہتمام پایا جانا، ان کے پیچھے عشق کا کارفرما ہونا، قابلِ اعتماد راویوں کے ذریعہ روایات کو قبول کرنا، تحقیق و کاوش کا مسلسل جاری رہنا، وغیرہ۔ سخت حیرانی ہے کہ جب یہی وجوہ، بلکہ ان سے زیادہ قوی وجوہ احادیث کے معتبر ہونے کے بارے میں پیش کیے جاتے ہیں تو برق صاحب اور ان کے ہم خیال لوگ انہیں رد کر دیتے ہیں مگر خود ان سے بہت زیادہ کمزور وجوہ کی بنا پر اصرار کرتے ہیں کہ بائیبل کے پرانے اور نئے عہد ناموں کو مستند و معتبر مان لو۔ احادیث میں تو ایک ایک روایت کی سند موجود ہے جس کی کڑیاں براہِ راست نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے جا ملتی ہیں اور ہر راوی کے حالات کی تحقیق کرنے کے ذرائع موجود ہیں۔ مگر ان کو بے تکلف جھوٹا کہہ دیا جاتا ہے بلکہ ان کا مذاق اڑانے تک سے دریغ نہیں کیا جاتا۔ مگر جن کتابوں کی کوئی تاریخی سند نہیں پیش کی جا سکتی انہیں کلام اللہ قرار دینے میں ذرا تامل نہیں کیا جاتا۔

اس سلسلے میں ایک دلچسپ نکتہ برق صاحب نے یہ ارشاد فرمایا ہے:

"ہو سکتا ہے کہ تورات کی کوئی ہدایت بظاہر قرآن کے خلاف نظر آئے یا گیتا کی کوئی آیت آپ کی کسی آیت سے متصادم ہو رہی ہو، اس کا علاج یہ نہیں کہ آپ قلم اٹھا کر تورات و گیتا کی تحقیر و تردید پر فصاحت و بلاغت کے دریا بہا دیں . . . . بلکہ یہ کہ خود سوچیں، اپنے اہلِ فکر و نظر سے پوچھیں پادریوں اور برہمنوں سے ملیں، اگر پھر بھی اطمینان نہ ہو تو کوئی تاویل کریں، یا انتظار کریں کہ سائنس کا کوئی انکشاف یا علم النفس کا کوئی جدید نظریہ اس گرہ کو وا کر دے"

کیا خوب! احادیث کو اٹھا کر پھینکتے وقت تو آپ ان کاموں میں سے کوئی کام نہ کریں، مگر جب معاملہ تورات اور گیتا کا پیش آ جائے تو یہ ساری احتیاطیں آپ کو یاد آ جائیں۔ سوال یہ ہے کہ جب رسول اللہ کی کسی حدیث کو آپ رد فرماتے ہیں اس وقت آپ کی یہ وضع احتیاط کہاں چلی جاتی ہے؟[1]

[1] ایک مثال "دو اسلام" میں ملاحظہ فرمایئے:۔ حدیث من قال لا الہ الا اللہ دخل الجنۃ (بخاری) کو برق صاحب (باقی صفحہ ۳ پر)

برق صاحب کا ایک بڑا اہم نظریہ یہ ہے کہ مومن ہونے کے لیے جس بنیادی کوالیفکیشن کا مطالبہ ہے وہ صرف خدا اور آخرت پر ایمان ہے۔ رسولوں پر ایمان ان کے نزدیک بنیادی شرائط میں شامل نہیں ہے۔ اس پر استدلال آل عمران کی آیات ۱۱۲، ۱۱۴ سے کیا گیا ہے، کیونکہ وہاں ذکر ایمان باللہ اور ایمان بالآخرۃ ہی کا ہے۔ لیکن برق صاحب کو جاننا چاہیے کہ اگر استدلال کا یہی طریقہ اختیار کیا جائے تو جن مواقع پر قرآن نے صرف ایمان باللہ یا ایمان بالآخرۃ کا مطالبہ کیا ہے، کیا وہاں سے یہ استدلال کیا جائے گا کہ بس اور کسی شے پر ایمان لانا ضروری نہیں؟ جی نہیں! قرآن کے بارے میں آپ مانتے ہیں کہ اس کا ایک حصہ دوسرے کی شرح ہوتا ہے اور کسی ایک آیت یا لفظ کو پورے قرآن سے منقطع کر کے نہیں لیا جا سکتا۔ یہی صورت اس معاملہ میں ہے قرآن جس ایمان باللہ کا تقاضا کرتا ہے وہ رسول پر ایمان لائے بغیر حاصل ہی نہیں ہو سکتا۔ رسول کو الگ رکھ کر آپ خدا کا جو تصور چاہیں دل سے گھڑ سکتے ہیں، ایک وہم کو خدا بنا سکتے ہیں، اس میں جو صفات چاہیں بھر سکتے ہیں اور جن صفات سے چاہیں اس کو خالی رکھ سکتے ہیں، جس قانون اور فلسفے کو چاہیں اس سے منسوب کر سکتے ہیں اور جو من مانی شریعت چاہیں، خدائی شریعت کے نام سے اختیار کر سکتے ہیں۔ اس لئے قرآن صاف الفاظ میں ہر اس شخص کو کافر کہتا ہے جو کسی ایک رسول کا بھی انکار کرتا ہو، چاہے وہ خدا کو ماننے کا اقرار ہی کیوں نہ کرتا ہو۔ ہم نہیں سمجھ سکتے کہ جس شخص نے کبھی ایک مرتبہ بھی قرآن سمجھ کر پڑھا ہو وہ کیسے یہ بات کہہ سکتا ہے کہ مومن ہونے کے لئے رسول پر ایمان لانا شرط لازم نہیں ہے۔ بلکہ ہم تو یہ کہتے ہیں کہ جس شخص کو اسلام کے متعلق کچھ بھی علم ہے وہ کبھی اتنی بڑی جاہلانہ بات کہہ سکتا ہے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لائے بغیر بھی آدمی کا مومن ہونا ممکن ہے۔

لطف یہ ہے کہ دوسری طرف یہی برق صاحب پر زور مطالبہ کرتے ہیں کہ کنفیوشس، سقراط،

(بقیہ حاشیہ) نے رد فرمایا ہے، حالانکہ اس حدیث کو بھی اگر حسن ظن کا مستحق سمجھ کر تامل کیا گیا ہوتا اور اس کی تاویل معلوم کی گئی ہوتی تو ایک دوسری حدیث اس کی وضاحت کے لئے خود کر سامنے آجاتی جس میں سفیان بن عبداللہ الثقفی سے آنحضور اسلام کی حقیقت یوں بیان فرماتے ہیں "قل اٰمنت باللہ ثم استقم" اور پھر قرآن کی ایک آیت اس حدیث کی شہادتِ حقانیت دینے کے لئے سامنے آجاتی ہے کہ "اِنَّ الَّذِیْنَ قَالُوْا رَبُّنَا اللّٰہُ ثُمَّ اسْتَقَامُوْا ......" لیکن یہاں کسی توقف کے بغیر صاف صاف حدیث کا مضحکہ اڑایا جاتا ہے۔

زرتشت، بدھ، بابا نانک، کرشن اور رام چندر سب کو خدا کے انبیاءؑ تسلیم کرو کیونکہ قرآن بتاتا ہے کہ ساری دنیا میں خدا کے انبیاء آتے رہے ہیں۔ سوال یہ ہے کہ جن لوگوں کا ذکر قرآن میں نہیں آیا ہے ان میں سے کسی کے بارے میں آخر قطعیت کے ساتھ یہ کیسے کہا جا سکتا ہے کہ وہ ایک عام فلسفی، لیڈر، مصلح، صوفی، یا حکمران عادل تھا، یا نبی تھا؟ آپ ان کے پیروؤں کے جذبات کا لحاظ کر کے ان کا جتنا چاہے احترام کر لیجئے، مگر کسی کو نبی قرار دینے کے لئے تو قطعی دلائل چاہئیں۔ ہر مذہب کے پیشوا اور ہر عظیم تاریخی شخصیت کو منصبِ نبوت پر متمکن نہیں مانا جا سکتا۔

ڈاکٹر صاحب نے ایک بار پھر عمل صالح کی وہی تعریف کی ہے جو اس سے پہلے علامہ مشرقی کر چکے ہیں یعنی جو دنیا میں غالب اور متمکن ہے وہ "عبادی الصالحون" میں شامل ہے۔ مثلاً وہ فرماتے ہیں: "اقوامِ فرنگ کو ان کے بلند اعمال کے صلے میں وارثِ زمین بنا ڈالا" اور "مجھے یقین ہے کہ ایمان اور اعمالِ صالحہ وہی ہیں جہاں اس کی رحمتیں برس رہی ہیں"۔ پھر وہ اسی پر قناعت نہیں کرتے بلکہ آگے بڑھ کر یہ فیصلہ بھی کر ڈالتے ہیں کہ آخرت بھی انہی کی ہے جن کی دنیا ہے۔ چنانچہ ارشاد ہوتا ہے:۔

"جب ہم اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں کہ اللہ نے بعض اقوام کو ان کے اعمال کی وجہ سے دنیا کی جہانبانی، عزت، علم، قوت، دولت اور جلال و جمال جیسے انعامات عطا کر دئیے ہیں تو انہی اعمال کی بنا پر انہیں آخرت میں کیوں رسوا کرنے لگا"۔

اس نظریے سے اگر کوئی اختلاف کرے تو ڈاکٹر صاحب نے اس بچارے کو پیشگی ملا کی گالی دے دی ہے اور ساتھ ہی خبردار بھی کر دیا ہے کہ "اجی حضرت مولینا! مجھ پر مت برسیے میں اپنی طرف سے کوئی بات نہیں کر رہا، قرآن سنا رہا ہوں، اللہ کا فیصلہ پیش کر رہا ہوں"۔ (صـــــ) اب فرمائیے! کیا کیجئے گا؟ ڈرتے ڈرتے ڈاکٹر صاحب سے بس اتنا پوچھ لیجئے کہ جب حضرت ابراہیم اٹھے تھے تو نمرود صالح تھا یا ابراہیم؟ جب حضرت موسیٰ اٹھے تھے تو فرعون صالح تھا یا موسیٰ؟ جب حضرت عیسیٰ اٹھے تھے تو علماء یہود اور رومی گورنر صالح تھے یا عیسیٰ؟ اور بعثت محمدی کے وقت کسریٰ اور قیصر اور سرداران قریش صالح تھے یا محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور بلال اور عمار جیسے صحابی؟

دماغی الجھن کا یہ بھی ایک عجیب شاہکار ہے کہ برق صاحب ایک طرف جن لوگوں کو صالح قرار دیتے ہیں دوسری طرف انہی کو مفسد اور غارت گر بھی ٹھیراتے ہیں اور ایک ہی کتاب کے اندر۔ ایک طرف ارشاد ہوتا ہے کہ جو دنیا میں خوش حال اور برسر اقتدار ہے وہی مومن صالح ہے اور دوسری طرف سرمایہ داروں، مہاجنوں، بادشاہوں، برلاؤں اور ڈالمیاؤں اور پیروں کے متعلق یہ رونا بھی رویا جاتا ہے کہ وہ اپنے سرمائے اقتدار اور ذہنی اثر کے بل پر مزے اڑا رہے ہیں۔ ایک طرف ارشاد ہوتا ہے کہ امریکہ نے ٹرکی کے استحکام پر جو ایک ارب ڈالر سے زیادہ روپیہ صرف کیا ہے یہ عین رضائے الٰہی کے مطابق ہے اور قرآن کی اس آیت کا اتباع ہے جس میں زکوٰۃ کا ایک مصرف "مؤلفۃ القلوب" بتایا گیا ہے۔ دوسری طرف انہی "صالحین اور متبعین رضائے الٰہی" کے متعلق یہ ریمارک بھی پاس کیا جاتا ہے کہ "آج انسان انسان کو مٹانے کے لئے بڑے بڑے مہلک اسلحہ ایجاد کر رہا ہے، آج کاروانِ آدم اوہام و ظنون کی تاریکیوں میں بھٹک رہا ہے"۔ آخر اس ژولیدہ فکری کی کوئی حد بھی ہے؟ یوں محسوس ہوتا ہے کہ مصنف کا اشہبِ قلم ایک بے لگام گھوڑا ہے جو ہر سمت دوڑ رہا ہے اور جدھر رُخ کرتا ہے عقل و خرد کی تمام سرحدیں پار کر جاتا ہے۔

"عمل صالح" کا یہ تصور اختیار کرنے کے بعد مصنف کو یہ مشکل پیش آتی ہے کہ قرآن کی رُو سے تو کوئی مشرک اور منکرِ خدا کبھی صالح نہیں ہو سکتا بلکہ صالح ہونے کے لیے توحید کا قائل ہونا ضروری ہے لیکن اِس مشکل کو محسوس کرنے کے بعد وہ اپنے تصورِ عملِ صالح پر نظرِ ثانی کرنے کے بجائے قرآن کے تصورِ توحید کو بے تکلف بدل ڈالتے ہیں۔ توحید کی تعریف ان کی زبان میں اب یہ ہے:

"توحید وہ قوت ہے کہ جس کے بل پر چنگیزی ڈاکوؤں نے چین سے لے کر مصر اور ماسکو سے لے کر دریائے سندھ تک ایک عظیم سلطنت قائم کر لی تھی۔ ان لوگوں کا کوئی مذہب نہ تھا۔ خدا تک کے قائل نہ تھے۔ پاک و ناپاک میں تمیز نہیں کر سکتے تھے، حرام و حلال کے تصور تک سے نا آشنا تھے، لیکن وہ متحد ہو کر عملاً موحد بن گئے، انسان کی تلواروں نے ذہنی موحدوں کی دھجیاں اُڑا دیں۔"

ملاحظہ فرمایا آپ نے زورِ قلم! توحید کے معنی اللہ تعالیٰ کو وحدہٗ لاشریک ماننا نہیں بلکہ بس متحد ہو جانا ہے اور یہ وہ توحید ہے جس کو اختیار کر کے آدمی بیک وقت ڈاکو بھی ہوتا ہے اور صالح بھی۔ ڈاکو اس لیے کہ اس نے

فی الواقع ڈاکا مارا اور صالح اس لیے کہ ڈاکہ زنی کا عمل صالح کر کے دنیا کے ایک بڑے حصے پر غالب ہو گیا۔

برق صاحب کی فکر و کاوش کا ایک اور نادر نمونہ "صلوٰۃ" کا جدید تصور ہے۔ انہوں نے ایک اس معنی کو چھوڑ کر جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے بتواتر ثابت ہے، لغت کی مدد سے اس کے ہر ممکن معنی کر لیا ہے، مثلاً تعریف و تحسین کرنا، تشہیر، پلیٹی اور پروپیگنڈہ کرنا، دستور العمل پر کاربند رہنا، وغیرہ۔ پھر اس تصور کو قرآن سے ثابت کرنے کے لیے سورۂ معارج کا ایک اقتباس لے کر اس کا ترجمہ بڑی "حکمت" کے ساتھ کر ڈالا ہے ۔۔۔ وہ "اِلَّا الْمُصَلِّیْنَ ۝ الَّذِیْنَ هُمْ عَلٰی صَلَاتِهِمْ دَآئِمُوْنَ ۝ وَالَّذِیْنَ فِیْٓ اَمْوَالِهِمْ . . ." کو اردو کا جامہ یوں پہناتے ہیں :۔ البتہ وہ نمازی مستثنیٰ ہیں جو اپنی صلوٰۃ پر قائم رہتے ہیں، یعنی جن کی دولت میں . . ." دیکھیے "صلوٰۃ" کا ترجمہ اس موقع پر لغتی کے لفظ سے کر کے آیت کو کس طرح اپنے منشا پر زبردستی ڈھال لیا گیا ہے۔ یہ تو ہوئی صلوٰۃ کی اصل مطلب اور جامع حقیقت۔ اس کے ساتھ صلوٰۃ بمعنی دعا کو بھی "ایک اسلام" میں جگہ دی گئی ہے۔ لیکن یہ تصریح بھی کر دی گئی ہے کہ :۔

"اللہ نے قرآن میں عبادت کی کوئی خاص صورت معین نہیں کی۔ کہیں فرمایا کہ ہمارا ذکر کرو، کہیں صلوٰۃ کی تاکید کی، اور کہیں قِیَامًا وَّقُعُوْدًا وَّعَلٰی جُنُوْبِهِمْ (اٹھتے بیٹھتے اور لیٹے ہوئے) تقدیس کا حکم دیا۔ قرآن نے عبادت کی ان تمام صورتوں کو منظور کیا ہے۔"

لیجیے نمازوں کے بارے میں اب تین پانچ کے جھگڑے سے معاملہ آگے نکل گیا۔ ایک نماز ہی کیا، ساری عبادات میں ہر شخص کے لیے اجتہاد کا میدان کھل گیا۔ عبادات کی خاص اشکال اور ان کے قالبوں کی ساخت و برداخت تو ملّا کا کارنامہ ہے، خدا کا دین تو صرف روحِ عبادت چاہتا ہے، چاہے وہ کسی شکل میں ہو! بڑے جھمیلے سے نجات ہوئی۔

ملّا سے ایک بڑی شکایت برق صاحب کو یہ ہے کہ وہ کہتا ہے کہ "خبردار علومِ طبیعی کے قریب مت جانا"۔ چنانچہ تسخیرِ کائنات میں ہم پیچھے رہ گئے ہیں۔ اور اس شکایت سے ساری کتاب بھری پڑی ہے۔ لیکن علومِ طبیعی اور تسخیرِ کائنات انسانیت کی ایک طبعی ضرورت ہے اور اس میں اصول یہ ہے کہ ضرورت ایجاد کی ماں ہوتی ہے۔ آدمی نے بغیر کسی دعوت آسمانی کے آگ اور پہیے اور دوسری چیزیں ڈھونڈ نکالی تھیں اور بغیر

کسی مذہبی ترغیب کے اس نے بھاپ، بجلی اور ایٹم کی طاقت کو مسخر کر لیا ہے۔ نہ اس سلسلے میں الہامی کتابوں سے نکال نکال کر حکم دکھلانے کی ضرورت، اور نہ اس میں رکاوٹ ڈالنا کسی ملا کے بس میں! جو قومیں علم و ایجاد میں پسماندہ ہو جاتی ہیں ان کے فکر و ایجاد کے بجھے ہوئے دئیے کسی نصب العین کے تیل سے روشن ہو سکتے ہیں، ملا کو گالیاں دینے سے نہیں، بلکہ اسے پھانسی چڑھا دینے سے بھی نہیں۔ برق صاحب بتائیں کہ ہمارا جو عنصر ملا کے اثر سے آزاد ہو کر "ترقی" کر رہا ہے اس کے کسی فرد نے کوئی علمی و ایجادی کارنامہ سرانجام دیا؟ ترکی جو ملائیت کو روند کر مغربیت کی راہ پر کئی سال سے اقدام کر رہا ہے ایک سوئی بھی ایجاد کر سکا؟ علمی و ایجادی کارنامے کبھی بھی مقلد اور مرعوب ذہنوں نے سرانجام نہیں دیئے۔

قرآنی آیات کے ساتھ یوں تو کتاب میں جا بجا دل لگی کی گئی ہے لیکن "اِنَّهٗ لَقَوْلُ رَسُوْلٍ كَرِيْمٍ" کا یہ مفہوم بہت ہی دلچسپ معلوم ہوا کہ قلمدانِ شریعت اس رسول کریم (جبریل) کے حوالے ہے جو خدائی ہدایت کے مطابق ایک کتاب تیار کرتا ہے اور پھر اللہ اسے ملائکہ کی وساطت سے انبیاء پر نازل کر دیتا ہے۔ گویا رسول کریم کا تصنیف ہے اور اللہ کا تنزیل۔ حالانکہ "قولِ رسولِ کریم" ہونے کا مطلب یہ ہے کہ نبی صلعم کو خدا کا کلام جس کی زبان سے سنایا جاتا ہے وہ ایک رسولِ کریم تھا اور اس کے بارے میں اعتماد دلایا گیا ہے کہ وہ صاحبِ قوت ہے، کوئی غیر اس پر اثر انداز نہیں ہو سکتا، دوسرے تمام فرشتوں پر اس کا حکم چلتا ہے، وہ بڑا امانت دار قاصد ہے کہ پیغام کے اندر تصرف نہیں کرتا۔ برق صاحب نے اسے قرآن کا مصنف بنا ڈالا۔

برق صاحب نے علامہ مشرقی، آزاد، اسلم جیراجپوری، پرویز اور چند دیگر "صحیح الفکر مفسرینِ قرآن" (غالباً سرسید، مولانا نیاز فتحپوری، پروفیسر محمد سرور مراد ہونگے) کی صف میں اقبال کو کھڑا کر کے بڑا ظلم کیا ہے۔ وہ بچارا ان عظیم ہستیوں کے ہم پلہ کب تھا۔ اس کا نام اس فہرست میں شامل کرنا بڑی زیادتی ہے۔

پوری کتاب میں دین کی حقیقتوں اور قرآن کی آیتوں سے وہی معاملہ کیا گیا ہے جیسے کوئی اپنے "میکینو" (Mecca-no) سے کرتا ہے کہ مختلف کیل پرزوں کو جوڑ کر نت نئے ماڈل بناتا ہے، پھر توڑتا ہے تو ایک اور انوکھا ڈھانچہ کھڑا کر دیتا ہے۔ یہی "میکینو" کا کھیل ہے جو حقائق دینی سے کھیلا جا رہا ہے۔ اور ہمارے اچھے اچھے اسلامی پبلشرز ہیں کہ کوئی حقیقی مقصد سامنے رکھے بغیر محض روپیہ کمانے کے لیے ہر طرح کی کتابیں چھاپ ڈالتے ہیں۔

اور اس طرح نوجوانوں کے ذہن کو انتشار کے حوالے کر دیتے ہیں۔

برق صاحب و تحقہ بعض اچھے احساسات اپنے اندر رکھتے ہیں، اور وہ صدق دل سے بعض خرابیوں سے لڑنا چاہتے ہیں لیکن ان کا جو بھی نتیجۂ فکر سامنے آتا ہے وہ یہی گواہی دیتا ہے کہ ان کے ذہن کے ہر خلیے میں حق و باطل باہم گڈمڈ ہیں۔ وہ بات کسی حق سے شروع کرتے ہیں اور رہا پہنچتی ہے وہ کسی باطل تک۔ وہ چلتے ہیں اچھی نیت سے اور رکتے ہیں جا کر کسی فساد پر۔ چنانچہ موصوف کی تحریریں ادبی نمد کے باوجود حق و باطل کی آمیزش اتنی زیادہ اور نمایاں ہے کہ پڑھنے والے پر بے حد دماغی بوجھ پڑتا ہے۔

تفہیم القرآن جلد اول طبع دوم کے متعلق ضروری اعلان

تفہیم القرآن جلد اول طبع دوم میں مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی صاحب نے نظر ثانی فرما کر کئی مقامات میں ترامیم و اضافے کر دیے ہیں۔ طبع دوم کی ایک خصوصیت یہ بھی ہے کہ فہرست موضوعات نئی ترتیب اور ترمیم و تنسیخ کے علاوہ طبع اول کی غلطیوں کی بھی تصحیح کر دی گئی ہے۔ متوسط طبقہ کی خواہش کے پیش نظر قسم سوم بھی طبع ہو چکی ہے۔ کاغذ اور سامان متعلقہ کی شدید گرانی اور نایابی کے باوجود ہدیہ میں اضافہ نہیں کیا گیا بلکہ جلد بندی طبع اول سے بھی عمدہ و مضبوط کرائی جا رہی ہے۔

ہدیہ قسم اول مع بکس -/۱۲/۲۴ ۔ خصوصی جلد -/۱۲/۲۳ ۔ مطلا سنہری -/۱۲/۲۸

ہدیہ قسم دوم مع بکس -/۴/۱۸ ۔ خصوصی جلد -/۱۲/۱۸ ، -/۴/۲۰ ۔ مطلا سنہری -/۴/۲۶

ہدیہ قسم سوم بغیر بکس -/۴/۱۱ ۔ خصوصی جلد -/۱۲/۱۱ ، -/۴/۱۲ (۴ر اضافہ پر بکس بھی مل سکتا ہے)

محصول ڈاک وغیرہ علاوہ

پتہ: ناظم مکتبۂ تعمیر انسانیت گوجر گلی، مو چی دروازہ لاہور اور مکتبۂ جماعت اسلامی پاکستان اچھرہ لاہور

ضروری اعلان: تفہیم القرآن جلد اول طبع دوم کی فہرست موضوعات کی ترتیب جدید اس قدر مقبول ہوئی ہے کہ طبع اول کے خریداروں کی خواہش پر اسے ۲۹×۲۲/۸ سائز کے تقریباً ۶۰ صفحات پر الگ مجلد شائع کی جا رہی ہے۔ علاوہ ازیں عوام کی سہولت کے پیش نظر الگ الگ سورتیں بھی مجلد شائع ہو رہی ہیں قیمت کا اعلان تیار ہونے پر کر دیا جائے گا۔

ضروری نوٹ: تفہیم القرآن کے متعلق دوسرا ضروری اعلان صفحہ نمبر ۱۲ پر دیکھیں۔